[redacted]

10

میری تمام سرگزشت............

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

[شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے بارے میں اگر کہا جائے کہ وہ اس وقت برصغیر کے سب سے بڑے جلیل القدر استادِ حدیث ہیں تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ان کا صرف صحیح بخاری شریف پڑھانے کا عرصہ نصف صدی پر مشتمل ہے ملک اور بیرون ملک کے بڑے بڑے شیخ الحدیث آپ کے تلامذہ کے حلقے میں شامل ہیں، حضرت نے اپنی سوانح زندگی املا کرانا شروع کی ہے جسے جامعہ فاروقیہ کے فاضل اور تخصص فی الفقہ کے طالب علم مولوی شمس الحق کشمیری ضبط کر رہے ہیں، اب تک دوڈھائی سو صفحات ہوچکے ہیں اور یوں خود حضرت کی زبان سے ان کی زندگی کی سرگزشت مرتب ہورہی ہے، اس سرگزشت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت نے بغیر تصنع وتکلف کے زندگی کے واقعات کو ہو بہو بیان کردیا ہے، بڑے لوگوں کی سوانح پر لکھی جانے والی کتابوں میں بسا اوقات ایک کمی یہ پائی جاتی ہے کہ وہ بچپن ہی سے طبعی زندگی سے ماوراء منفرد دکھائے جانے لگتے ہیں، سوانح نگار غالباً عقیدت کی بنیاد پر ایسا کرتے ہیں لیکن اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والا قاری ان کو فطری تقاضوں، طبعی زندگی کی الجھنوں اور گردش لیل ونہار کی ہمہ گیر جکڑ بندیوں سے آزاد دیکھ کر یہ تاثر لے لیتا ہے کہ جو جھیلے والی زندگی میں گزار رہا ہوں اس میں ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا ممکن نہیں، وہ ان کی سوانح کو قابل رشک تو سمجھ لیتا ہے، قابل تقلید نہیں.......... لیکن حضرت نے اپنی اس آپ بیتی میں طبعی زندگی کے واقعات کو بغیر کسی آمیزش کے ذکر کردیا ہے، تعلیم وتربیت اور دارالعلوم دیوبند میں کے بعض اساتذہ اور ممتاز شخصیات کے تعارف پر مشتمل یہ دسویں قسط نذر قارئین ہے، امید ہے کہ اسے ذوق وشوق سے پڑھا جائے گا۔سوانح یا آپ بیتی کا فی الحال یہ نام اس ناکارہ نے علامہ اقبال کے اس مشہور شعر سے اخذ کیا ہے۔

میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو ۔۔۔ میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ

(مدیر)]

دارالعلوم کی نابغہ شخصیات: دارالعلوم کے وہ اساتذہ جن سے ہم بہت متاثر ہوئے اور استفادہ بھی اپنی صلاحیت کے مطابق کیا ان میں:

(ا)۔حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا نام گرامی سرفہرست ہے، جن کے

ساتھ عقیدت تو پہلے سے تھی، مگر جب ہم نے ان سے پڑھا تو اس عقیدت میں اور بہت اضافہ ہوا۔

(۲)۔حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ علیہ جو دار العلوم کے اس وقت شیخ الادب والفقہ تھے

(۳)۔حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴)۔حضرت مولانا عبدالخالق ملتانی رحمۃ اللہ علیہ۔

دوسرے حضرات اساتذہ سے بھی استفادہ کیا اور ان کی عظمت کا بھی ہمیشہ احساس رہا، لیکن مذکورہ بالا چار حضرات سے استفادہ اور تاثر کی نوعیت مختلف تھی۔

حضرت شیخ الاسلام کا درس ترمذی اور معمولات درس: حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کے درس ترمذی سے خاص طور پر بہت فائدہ ہوا۔ ہم نے مشکوۃ شریف نہیں پڑھی تھی، اس لئے عام طلباء کی طرح علم حدیث کے متنوع مباحث کے اخذ اور قبول میں استعداد کم تھی۔ حضرت کے درس سے اس کمی کی تلافی ہوئی، اس طرح حضرت والا کے معمولاتِ درس وغیرہ کا بھی بہت اثر ہوا۔

طریقہ یہ تھا کہ حضرت کی تشریف آوری سے پہلے مولوی عبدالنور سلہٹی جو حضرت کی دائیں جانب بیٹھتے تھے، اور بائیں جانب مولوی عبدالعزیز میانوالی بیٹھا کرتے تھے، طلباء پرچیوں پر سوالات لکھ کر ان دونوں کے پاس جمع کر دیا کرتے تھے، حضرت کے تشریف لانے پر یہ پرچیاں پیش کی جاتی تھیں اور آپ ایک ایک پرچی کو پڑھتے، نہایت خندہ پیشانی سے اس کا جواب دیا کرتے تھے، سوالات علمی بھی ہوتے تھے، سیاست سے بھی متعلق ہوتے تھے حضرت کی ذات سے بھی بلکہ بعض اوقات حضرت کے خانگی امور سے بھی تعلق رکھتے تھے، کبھی کبھی ان جوابات میں ایک گھنٹہ لگ جاتا تھا، لیکن حضرت کے انبساط اور نشاط میں فرق نہیں آتا تھا، میرے خیال میں یہ عبدیت اور تواضع کا نتیجہ تھا۔ اگر سوال نامناسب اور بے ہودہ ہوتا تھا تب بھی ناراضگی کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ مولوی عبدالنور سلہٹی جو حضرت کے دائیں جانب بیٹھتے تھے، وہ صحاح ستہ کا سیٹ بھی اپنے پاس رکھتے تھے، حوالے کے لئے جب دورانِ درس آپ کوئی کتاب طلب فرماتے، تو عبدالنور پیش کرتے تھے، دورانِ درس پان کا بیڑا بھی وہ حضرت کو پیش کیا کرتے تھے، یہ مولانا عبدالنور سلہٹی سالانہ امتحان میں نقل کرتے ہوئے پکڑے گئے اور حضرت کے صاحبزادے بھی اسی جرم میں ماخوذ ہوئے تو حضراتِ اساتذہ نے صاحبزادے کی سفارش کی کہ ان کو معاف کر دیا جائے، جب کہ مولوی عبدالنور کی کوئی سفارش نہیں تھی حضرت نے عبدالنور کو معافی دی اور صاحبزادے کے لئے آئندہ سال اسی درجے کا اعادہ کروایا۔

حضرت کی سخاوت اور مہمان نوازی: حضرت کا ایک معمول یہ بھی دیکھا کہ سبق سے فارغ ہونے کے بعد

دارالحدیث میں یہ دیکھتے تھے کہ باہر سے آنے والے حضرات جو درس میں موجود ہوں ان کو بلاتے اور اپنے ساتھ دوپہر کے کھانے کے لئے ان کو لے جایا کرتے تھے، حضرت کے علمی مقام اور ان کی للّٰہیت اور خلوص، تواضع اور فنائیت کے جو مظاہر مشاہدے میں آئے ان کی وجہ سے حضرت کی عقیدت اور محبت میں بہت اضافہ ہوا۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کے ہاں حضرت تھانویؒ کا مقام اور مرتبہ: ایک خاص بات یہ بھی سامنے آئی کہ طلباء کے سوالات میں کبھی کبھی سیاسی اختلاف کی وجہ سے حضرت تھانویؒ کے متعلق دریافت کیا جاتا تھا اور حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت اور جلالت شان کو کم کرنے کی کوشش کی جاتی تھی، مگر حضرت نے ہمیشہ حضرت حکیم الامت کی شان کو دوبالا ہی کیا اور ایک مرتبہ زور دے کر فرمایا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ مجدد تھے۔

حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ: حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی سادگی اور نظم ونسق کی پابندی اور فنافی العلم ہونے کی وجہ سے ہمارے بہترین استاد تھے۔ مولانا کی ایک خصوصیت یہ بھی سامنے آئی کہ ان کا درس چاہے دوتین گھنٹے پر محیط ہو، لیکن اس میں کبھی ایک جملہ بھی حضرت کی زبان مبارک سے سبق سے غیر متعلق سننے میں نہیں آیا، اسی طرح ایک خاص عادت حضرت کی یہ تھی کہ حد سے زیادہ سادگی اور تواضع کے باوجود وہ کسی کے ساتھ بھی ضرورت سے زیادہ بات نہیں کرتے تھے، مجلس آرائی کا وہاں کوئی تصور موجود نہیں تھا، اور "من حسن إسلام المرأ ترکه مالا یعنیه" کا وہ بہترین نمونہ تھے۔

حضرت کی نہایت شفقت: دورۂ حدیث کے اسباق میں ''ابوداود''، ''ترمذی'' جلد ثانی، شمائل اور اخیر سال میں جاکر جلد اول میں ابواب السیر سے آخر تک ہم نے مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ کے یہاں پڑھی۔ عبارت پڑھتے وقت کئی دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ہم نے عبارت پڑھی تو عبارت کے نقطۂ نظر سے مشکل مقام پر مولانا فرماتے، ٹھہر جایئے اور پھر طلباء سے مخاطب ہوکر فرمایا کرتے تھے: ''آپ نے سنا کہ انہوں نے کیا پڑھا ہے، یہی صحیح ہے، اکثر لوگ اس کو غلط پڑھا کرتے ہیں''...... پورے سال ہمارے علاوہ کسی دوسرے طالب علم کے لئے آپ نے یہ نہیں فرمایا یہ حضرت کی غایت شفقت کا نتیجہ تھا، اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہم پر بہت مہربان ہیں، ایک مرتبہ کا یہ واقعہ ضرور ہے کہ ہم نے عبارت میں غلطی کی اور حضرت نے اس کی اصلاح فرمائی "ألا کل شیء ماخلا اللّٰه باطل" کو ہم نے نصب کی بجائے جر کے ساتھ "ألا کل شیء ماخلا اللّٰهِ باطل" پڑھا تھا، اور یہ غلطی شرح مأۃ عامل نہ پڑھنے کی وجہ سے ہوئی تھی، جیسا کہ پہلے گزرا۔

حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ: حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ علیہ فنافی العلم عالم تھے، ان کی چال ڈھال، رفتار، گفتار اور نشست و برخاست سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس شخص کو دنیا و مافیہا سے کوئی سروکار نہیں ہے اور یہ

بزرگ دین اور علمِ دین کے لئے وقف ہیں، ان کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے۔

حضرت مولانا عبدالخالق ملتانیؒ: حضرت مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ احقر کے ان اساتذہ میں شامل ہیں، جن سے دارالعلوم دیوبند میں طالب علمی کے زمانے میں زیادہ مستفید ہونے کا موقع ملا، ان کا طرزِ تدریس اپنی مثال آپ تھا، وہ جب سبق پڑھاتے تو قاضی مبارک، خیالی، توضیح تلویح ان کے سامنے نہیں ہوتی تھی لیکن طالب علم ان کی تقریر کو کتاب کے ایک ایک حرف پر منطبق کرتا چلا جاتا تھا۔ وہ پہلے سبق کے مضمون کی تقطیع کر کے بتلاتے تھے کہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک یہ مضمون ہے اور اس کے بعد فلاں جگہ تک یہ مضمون ہے، پھر اسی اجمال کے بعد شروع سے ہر مضمون کی تفصیل فرماتے تھے، اندازِ بیاں میں ٹھہراؤ اور متانت نمایاں ہوتی تھی باوجودیکہ اردو میں کمزوری تھی لیکن ان کا القاء اتنا حسین تھا کہ وہ کمزوری بھی لطف آمیز ہو جاتی تھی، ان کے سبق میں طالب علم اس قدر ہمہ تن گوش بن جاتے تھے کہ ذہن میں درس کے علاوہ کوئی دوسرا خیال آ ہی نہیں سکتا تھا۔

وقت کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ پہلے گھنٹے میں جب وہ قاضی مبارک کے سبق کے لئے آتے تھے تو دایاں پاؤں درسگاہ میں اور بایاں پاؤں باہر ہوتا تھا تو سبق کی گھنٹی بجتی تھی جب کہ مولانا مرحوم کی قیام گاہ درسگاہ سے دارالعلوم ہی میں کافی فاصلے پر تھی، مولانا مرحوم کی دارالعلوم میں تشریف آوری ایک نعمت عظمیٰ اور غنیمت کبریٰ سے کم نہ تھی، دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۶۱ھ میں ایک انقلاب آیا تھا، صدر مہتمم علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ بلیاوی اور کئی اہم ساتذہ دارالعلوم چھوڑ کر ڈابھیل چلے گئے تھے حضرت الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ ان دنوں جیل میں تھے۔ تو جانے والے اساتذہ کی جگہ کئی علماء پنجاب اور سرحد سے بلائے گئے لیکن حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ اکوڑہ خٹک کسی کو پذیرائی نہ حاصل ہوئی، چنانچہ بعد میں مولانا عبدالخالق صاحب اور مولانا محمد شریف کشمیری صاحب تشریف لائے تو طلبہ نے سکھ کا سانس لیا اور جانے والوں کا نعم البدل میسر آیا، علامہ بلیاوی کی شان بلاشبہ انفرادی تھی لیکن ان کے درس سے ہر شخص کماحقہ استفادہ کرنے کا اہل نہیں ہوتا تھا جب کہ ان کی جگہ نئے آنے والوں کے خوان یغما سے ہر شخص مستفید ہوتا تھا۔

ہمارے مولانا خوش پوشاک بھی تھے، اللہ نے حسنِ صورت، قد آور شخصیت کے ساتھ ساتھ حسنِ سیرت سے بھی نوازا تھا۔ ان تمام محاسن کے ساتھ مولانا لباس کے حسن میں بھی یکتا نظر آتے تھے، سخت سردی میں بھی باریک ململ کا کشادہ آستینوں والا کرتا اور سبز رنگ لال پٹی والا ملتانی تہبند زیب تن فرماتے تھے، خوش خوراک بھی ایسے کہ باقاعدہ سہارنپور سے پھلوں کی پیٹیاں منگواتے تھے، طرح طرح کے حلوے بناتے تھے، حلوے بنانے کی خدمت تو میرے برادر خورد مولانا عبدالقیوم خان مرحوم نے ہی کافی عرصے تک انجام دی۔

نماز باجماعت کا بھی بہت اہتمام تھا۔ بعد نمازِ فجر مراقبہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ احقر نے قاضی مبارک، ہدایہ اخیرین، تقریر دلپذیر پر اور موطا کے اسباق میں حضرت کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہے۔ احقر جب دارالعلوم کراچی میں مدرس تھا، تو حضرت مولانا نے مولانا عبدالمجید صاحب شیخ الحدیث باب العلوم، کہروڑپکا کو بھیجا تھا اور احقر کو دارالعلوم کبیر والا آنے کی دعوت دی تھی، جو بوجوہ قبول نہ کی جاسکی تھی، ایک مرتبہ دورانِ سفر مختصر وقت کے لئے کبیر والا حاضری ہوئی، حضرت نے قیام کے لئے فرمایا، احقر ملتان پہنچنے کی اطلاع پہلے سے کرچکا تھا، اس لئے معذرت کی تو حضرت نے بصورتِ نقد دعوت کی رقم عنایت فرما کر سرفرازی فرمائی۔ رحمة الله تعالیٰ رحمة واسعة۔

چھ دنوں میں بخاری شریف ختم ہوئی: جب سالانہ امتحان شروع ہوا تو دوسرے اسباق کی تکمیل ہوگئی تھی، لیکن ''بخاری'' کے تقریباً چار پارے ہوئے تھے، اور ''ترمذی شریف'' کتاب البیوع میں چل رہی تھی، ایک عجیب واقعہ یہ ہوا کہ ترمذی کے سالانہ امتحان میں "البیعان بالخیار مالم یتفرقا" سوال بھی پرچے میں موجود تھا اور سبق اس بحث کا صبح امتحان کے بعد ظہر کے بعد ہوا، امتحان پہلے سبق بعد میں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پرچہ حضرت نے ہی بنایا تھا اور ان کا خیال تھا کہ امتحان سے پہلے یہ سبق ہوجائے گا مگر ایسا نہ ہوسکا، امتحان ختم ہونے کے بعد ''بخاری'' "علی سبیل السرد" اکیس شعبان سے شروع ہوئی اور ستائیس کو ختم ہوگئی، عبارت پڑھنے کے لئے جن طلبہ کا انتخاب ہوا ان میں مولوی رفیق احمد صاحب، مولوی عبدالرشاد جن کا نام بعد میں تبدیل ہوکر زین العابدین رکھا گیا، (سنا ہے کہ نام کی تبدیلی حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی تھی)۔ قاری عبدالسمیع صاحب سرگودھوی، مولوی عبدالستار صاحب تونسوی، بعض دوسرے طلباء بھی تھے جن کے نام اس وقت ذہن میں نہیں ہیں، عبارت پڑھنے والوں میں احقر بھی شامل تھا۔

ختم بخاری شریف کا معمول: ''بخاری شریف'' کے ختم کو مخفی رکھا جاتا تھا، ختم کے وقت کا اعلان نہیں ہوتا تھا، لوگ از خود اندازے لگایا کرتے تھے، اخفاء کے باوجود بہت بڑا مجمع قریب اور بعید سے علماء اور عوام اور طلباء کے متعلقین کا ہوجایا کرتا تھا۔ ختم سے پہلے حضرت مدنی رحمة الله نے طلباء کو نصیحتیں کیں اور اس کے بعد دعا کرائی جو نہ بہت مختصر تھی اور نہ طویل، ختم کے بعد حضرت سلہٹ کے لئے روانہ ہوگئے اور بہت سے طلباء نے سند اجازت حدیث جو مطبوعہ تھی، حاصل کی۔ احقر کو اس وقت اس طرف توجہ نہ ہوئی تھی، اس لئے بعد میں پھر کسی موقع پر میں نے وہ سند حاصل کی۔

☆☆☆

تدریس کا آغاز: دارالعلوم سے فراغت کے بعد ہم اور مولانا رفیق احمد صاحب جلال آباد تدریس کے لئے مقرر

ہو گئے جو پہلے ہی سے متعفن تھا۔

کتب خانے کی تنظیم نو: جلال آباد کے مدرسے مفتاح العلوم میں کتب خانے کا معقول انتظام نہیں تھا، اس لئے ہم دونوں نے فیصلہ کیا کہ ہم رمضان میں چندہ کریں اور اس غرض سے ہم گنگوہ اور اس کے مضافات کی طرف روانہ ہو گئے۔ رات، دن کی محنت سے ہم نے تقریباً ساڑھے سات ہزار روپے جمع کئے اور رمضان کے بالکل اخیر میں واپس ہوئے، واپسی میں تیتروں سے جلال آباد تک پانچ کوس کا فاصلہ تھا، یہ فاصلہ ہم نے اس حالت میں طے کیا کہ پورے راستے بارش ہوتی رہی اور اولے پڑتے رہے۔

قاری خدا بخش صاحب: اس سفر کے دوران گنگوہ کے قریب موضوع خانپور میں قاری خدا بخش صاحب کے یہاں ایک رات ہمارا قیام ہوا، ان کی قرأت سن کر بار بار دل میں یہ خیال آتا رہا کہ کاش یہ مفتاح العلوم جلال آباد آ جائیں لیکن اپنی اس خواہش کا ان سے ذکر نہیں کیا، کچھ دنوں کے بعد ایک دن نظام الدین کے تبلیغی مرکز میں ان سے ملاقات ہو گئی اور انہوں نے جلال آباد آنے کی خواہش کا ذکر کیا، میں تو پہلے ہی چاہتا تھا، اس لئے میں نے فوراً آ جانے کی ان سے درخواست کی، قاری صاحب موصوف جس طرح قرآن کریم بہت عمدہ پڑھتے تھے، اسی طرح وہ قرآن کریم کی تعلیم بھی بہت عمدہ دیتے تھے، وہ بچوں کو دو مہینے میں نورانی قاعدہ پڑھاتے تھے اور اس کے بعد عم کا پارہ شروع کراتے تھے، اور ایک سورۃ صبح اور ایک سورۃ شام کا سبق ہوتا تھا، یہاں تک کہ اگر صبح کو "سورۂ نازعات" کا سبق ہوا ہے تو شام کو "عم یتساء لون" کا سبق ہوتا تھا اور اس کے بعد پھر پورا قرآن گویا پڑھا ہوا ہوتا تھا چاہے آدھے آدھے پارے کا سبق ہو، چاہے ایک ایک پارے کا، اور طالب علم تجوید کے تمام قواعد کی رعایت کے ساتھ قرآن مجید پڑھتا تھا۔ ☆......☆

(جاری......)

ایک وضاحت

مولانا عبدالرشید انصاری نے مولانا گلستان صاحب (جن کو ہمارا حسامی کا سبق حوالہ کیا گیا تھا) کی شان میں بے ادبی پر اپنے رنج وقلق کا اظہار فرمایا ہے۔ احقر مولانا انصاری سے معافی کا طلب گار ہے، امید ہے وہ معاف فرما دیں گے۔ باقی احقر کا مقصد صرف اس وقت کے احوال کو پیش کرنا ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ کس کے بارے میں قابل ستائش تھے اور کس کے بارے میں تعریف کے قابل نہیں تھے۔ وہاں تو یہ بھی ہوا کہ بعض حضرات کو سال کے درمیان ہی فارغ کر دیا گیا اور بعض کو سال کے آخر میں۔ ہدایہ اور حسامی کے اساتذہ کو سال کے آخر میں فارغ کیا گیا اور بعض حضرات ایسے بھی آئے کہ جن کی مقبولیت اپنی مثال آپ تھی اور انہیں انتظامیہ اور طلبہ دونوں کے نزدیک محبوبیت کا نمایاں مقام حاصل ہوا۔